R. No. 2186/57 Regd. No. L922

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت فی پرچہ سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۲۔ شمارہ ۴۵ | ایڈیٹر۔ آل احمد سرور | یکم دسمبر ۱۹۶۳ء

اداریہ

سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں ہمارا فرض

اُترپردیش کے مختلف مقامات سے کچھ خبریں اچھی ملی ہیں اور کچھ بُری۔ اور ظاہر ہے کہ اچھی خبریں کم ہیں بُری زیادہ۔ چند مقامات پر تیسری زبان کی حیثیت سے اُردو کی تعلیم کا انتظام ہوا ہے مگر زیادہ تر مقامات پر باوجود اس کے کہ اچھی خاصی تعداد نے خواہش ظاہر کی کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ پوچھنے پر کہیں تو یہ کہہ دیا گیا کہ ہم صرف سنسکرت کا انتظام کر سکتے ہیں، کہیں یہ کہا گیا کہ مزید اخراجات اور اُستاد کے تقرر کے سلسلے میں اوپر لکھا گیا ہے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ اس کے بعد لوگ صرف اخبار میں حکومت کو بُرا کہنا کافی سمجھتے ہیں دوبارہ کوشش نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ اخباروں کی بھی طاقت ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ جو لوگ اسکول چلاتے ہیں وہ اخباروں کی رائے سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔ پھر اُردو کا ایک اخبار اس مطالبے کی حمایت کرتا ہے تو ہندی کے چار اخبار اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ اگر مقامی کارکنوں، اسمبلی کے اور پارلیمنٹ کے ممبروں، مختلف سیاسی پارٹیوں کے لوگوں سے ربط پیدا کر کے، پرنسپلوں اور انسپکٹروں سے پھر کہا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ سب جگہ نہیں تو بہت سی جگہوں میں اب بھی اُردو کی تعلیم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے تو یہ دل میں طے کر لیا ہے کہ ان لوگوں سے انصاف کی توقع فضول ہے، یہ ایک قسم کا فرار ہے۔ اس سے کام نہیں چلتا۔ اگر ہم اُردو کی تعلیم کا انتظام کرانا چاہتے ہیں تو محض حکومت یا اکثریت کو بُرا کہنے سے یہ انتظام نہیں ہو گا۔ ویسے یہ ہمارا حق ہے اور اس کا خود ہی انتظام ہونا چاہیے مگر دنیا میں عام طور پر حق کے لئے جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہر شخص معقول ہو جائے تو دنیا جنت نہ بن جائے اور چٹکی بجانے میں سب مسئلے خود بخود حل نہ ہو جائیں۔ اس لئے ہمارا فرض یہ ہے کہ ہر جگہ جہاں اُردو پڑھنے کی خواہش موجود ہے، والدین اور سرپرست اسکولوں میں درخواستیں دیں۔ اگر فوراً انتظام نہ ہو تو انسپکٹر، ڈائرکٹر اور وزیر کو بھی لکھیں۔ مقامی انجمن یا اُردو دوستوں کا کوئی وفد اس علاقے کے کچھ ممتاز شہریوں کے ساتھ متعلقہ افسروں سے ملے۔ اُن کو معاملے کی اہمیت سمجھائے۔ وہ سب گئے گزرے نہ ہوں گے۔ سب کے دل پتھر کے نہ ہوں گے، کسی کے دل میں تو جمہوریت کی روایات کا احترام ہو گا۔ سنسکرت کی مخالفت سے بھی کام نہ چلے گا۔ آخر جو لوگ واقعی سنسکرت پڑھنا چاہتے ہیں! انہیں ہم کیوں اس سے باز رکھیں۔ ہمیں اس کا کیا حق ہے۔ یہ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرکز کا مشورہ اس کے حق میں نہ تھا۔ مگر دستور کے مطابق مرکز ایسے معاملات میں صرف مشورہ دے سکتا ہے۔ ریاستوں کو مجبور نہیں کر سکتا۔ اس لئے گو سنسکرت کو اس فارمولے میں تیسری زبان کی حیثیت سے شامل کرنا غلط ہے مگر جب ایسا کر لیا گیا ہے تو ساری قوت اس احتجاج میں ضائع کرنا

اس اشاعت میں

دانش مندی نہیں۔ جس طرح کسی کو اُس کی مرضی کے خلاف سنسکرت پڑھنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے، اسی طرح کسی کو جو سنسکرت پڑھنا چاہتا ہے اس زبان کے پڑھنے سے روکنے کا بھی ہمیں کوئی حق نہیں۔ ہمیں تو صرف اصرار اس بات پر کرنا چاہیے کہ اُردو پڑھنے کا انتظام ہو۔ اگر ہم واقعی ایسا چاہتے ہیں تو ہمیں صرف ایک دفعہ کہنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ بار بار متعلقہ لوگوں سے کہنا چاہیے، ریاستی حکومت اور مرکز کو اطلاع کرنا چاہیئے کہ فلاں جگہ اتنے طلبہ کا مطالبہ اُردو کی پڑھائی کے لئے انتظام کا تھا مگر انتظام نہ ہوا۔ ہم اُن اخباروں سے جو سہ لسانی فارمولے کی موجودہ شکل کے متعلق برابر اظہار خیال کرتے رہتے ہیں، یہ درخواست کریں گے کہ وہ اپنے کالموں میں اُن طلبہ کے نام درج کریں جو اُردو پڑھنا چاہتے ہیں۔ مگر جن کے لئے اب تک انتظام نہیں ہوا، انھیں اس سکول اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر کا نام اخبار میں درج کرنا چاہیئے جس نے باوجود درخواست کے انتظام نہیں کیا، اُنھیں ریاستی حکومت کے پاس اپنے اخبار کے تراشے بھی بھیجنا چاہئیں اور انجمن کو بھی اطلاع کرنا چاہیئے۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُردو کے بہت سے حامی صرف حکومت یا اکثریت پر لعنت بھیج کر خاموش ہو جاتے ہیں، اُنھیں اس کے لیے جدوجہد کرنا چاہیئے۔ انجمن اپنے طور پر کوشش کر رہی ہے۔ اُس نے ریاستی حکومت اور مرکز کو توجہ دلائی ہے۔ اسکی کوشش اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک جہاں جہاں مطالبہ ہے اُردو کی تعلیم کا انتظام نہ ہو جائے۔ مگر بہت سی جگہوں پر مقامی حضرات اپنے اثر سے کام لے کر اور وہاں کے قومی کارکنوں سے مدد لے کر پرنسپلوں اور ہیڈ ماسٹروں کو مناسب کارروائی کرنے کے لئے آمادہ کرسکتے ہیں۔ اس وقت احتجاج زیادہ ہو رہا ہے، عملی کام کم۔ ہمیں دونوں کی ضرورت ہے اور ہر منزل پر ضرورت ہے، اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیئے۔

صدر کینیڈی کا قتل

جان کینیڈی نہ صرف امریکہ کے صدر تھے بلکہ انھوں نے امن عالم کیلئے جو کوششیں کی تھیں اور اپنے ملک میں سیاہ فام اشخاص کو جو حقوق دلانے کی کوشش کی تھی، اُس کی وجہ سے ان کا شمار انسانیت کے محسنوں میں ہونا چاہیئے۔

یہ نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ ایک مریض ذہنیت کے آدمی نے اُنھیں اس وقت ڈیلاس (ٹیکساس) میں گولی کا نشانہ بنا دیا، جب وہ موٹروں کے ایک جلوس کے ساتھ تقریر کرنے جا رہے تھے کینیڈی ہندوستان کے دوستوں میں تھے۔ وہ جمہوریت کا ہر جگہ استحکام چاہتے تھے۔ افسوس ہے کہ امریکہ اُن کی بیدار مغز رہنمائی سے اس طرح محروم ہو گیا اور دنیا سے ایک روشن خیال، صلح پسند اور مساوات انسانی کا علمبردار ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا۔

ہماری زبان سیاست کی دنیا سے علیحدہ ہے مگر انسانیت کے محسنوں کو یاد رکھتا ہے۔

سیر بین

ایک صاحب نے حال میں تنقید اور سنجیدگی پر اظہار خیال کرتے ہوئے تنقید کی دو قسمیں بتائی ہیں، ایک زندہ دوسری مُردہ۔ جس تنقید میں سنجیدگی اور ثقاہت ہو وہ مردہ تنقید ہے، جس میں فقرے بازی ہو، پھکڑپن ہو، ہلکی پھلکی نثر ہو، زٹل بگھاری جائے، کہیں کہیں فحش نگاری تک بھی نوبت پہنچ جائے، وہ زندہ تنقید ہے۔ اس معیار سے حالی سے آج تک کے بیشتر نقاد مُردہ تنقید کے امام ہیں، زندہ تنقید تو پاکستان کی دریافت ہے، ہاں ہندوستان میں زندہ تنقید کے علمبردار بھی اب ملنے لگے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ بات صرف تنقید تک کیوں محدود رہے۔ شاعری میں بھی اس کا اطلاق ہونا چاہیئے، جو شاعر سنجیدگی سے، ثقاہت سے زندگی کا کوئی تجربہ بیان کرے، کوئی فلسفہ، کوئی نظریہ، کوئی پیام رکھتا ہو، وہ مُردہ شاعر ہے، جو خوبصورت ترکیبیں نظم کرے، چٹکلے بازی سے کام لے، کچھ چاشنی، کچھ چٹخارے کی بات چھیڑے وہ زندہ شاعر ہے۔ انیس، حالی، اقبال، سب مردہ شاعر تھے، اختر اور فانی بھی اسی ذیل میں آتے ہیں، زندہ شاعر صرف نظر ہے، ہاں حسرت کے یہاں زندگی کی کچھ جھلکیاں مل جاتی ہیں کیونکہ انھیں کسی کا ننگے پاؤں کوٹھے پہ آنا یاد ہے۔

اقبال نے ہند کے شاعروں، صورت گروں اور افسانہ نویسوں کے متعلق فرمایا تھا: ع

آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

عصمت نے اپنے خیال میں اس کا منہ توڑ جواب یہ دیا کہ عورت نہیں تو کیا ہاتھی گھوڑے سوار ہوں گے، گویا بیچارے اقبال کو اُن لوگوں پر ترس آتا تھا جن کے اعصاب پر عورت سوار ہے، عصمت اُنھیں مبارکباد دیتی ہیں، مگر اب یہ قصہ بھی ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ اب تو لکھنے والے پر صرف فقرہ سوار رہتا ہے۔ کوئی موضوع ہو، ایران کی بات ہو یا توران کی، روایت کی یا تجربے کی، فن کی یا فنکار کی، موضوع کے ساتھ انصاف ضروری نہیں، کوئی چونکا دینے والی بات ہونی چاہیے مثلاً داڑھی اور سفلا، یا حالی اور ڈاکٹر وارڈ، اُردو میں اتنے ڈھیر سے رسالے نکلنے لگے ہیں اور ہر رسالے میں اگر دو تین تنقیدی مضمون نہ ہوں تو رسالہ کچھ کم رو سا نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی فن کار یا فن پارے کا تجزیہ خاصا ریاض چاہتا ہے۔ اس میں اکثر مرغی کی جان جاتی ہے اور کھانے والوں کو مزا نہیں آتا۔ مگر کباب تو سبھی کو پسند ہیں، لہذا تنقید کو کبابی ہونا چاہیئے۔ ہاں اس کی اجازت ہے کہ کوفتے بنائے جائیں یا کباب لگائے جائیں، یا گوشت کے پارچے سیخ پر ٹانک دیئے جائیں۔ بس چٹ پٹے مسالے دار ہوں۔ اب اس میں پورے اُردو ادب کا قیمہ ہو جائے تو بھی سودا برا نہیں۔

انجمن تحفظِ اُردو اور اُردو کانفرنس

روزنامہ سیاست حیدرآباد کا اداریہ ۱۵ نومبر ۶۳ء

پچھلے کچھ دنوں سے انجمن تحفظ اُردو کے زیر اہتمام "ریاستی اُردو کانفرنس" کے انعقاد کی خبریں شائع ہو رہی ہیں۔ اس کانفرنس کے انعقاد کا مقصد یہ بتلایا جا رہا ہے کہ اُردو کے تعلق سے بعض مسائل پر حکومت کی پالیسی پر عمل نہیں ہوتا۔ انجمن تحفظ اُردو کو حکومت کی اُردو پالیسی سے کوئی شکایت نہیں ہے وہ صرف یہ چاہتی ہے کہ حکومت اپنی پالیسی کو روبہ عمل لائے۔ حیدرآباد میں متعدد ادبی انجمنیں ہیں انھیں بھی پورا پورا حق ہے کہ وہ بھی اُردو کے مسائل پر غور کرنے کے لئے کوئی کانفرنس منعقد کریں لیکن جہاں تک اصول اور پالیسی کا سوال ہے، ہمارے شہر میں ایک انجمن موجود ہے جو پولیس ایکشن کے بعد سے اُردو زبان کے تحفظ کے مسائل پر مسلسل کام کر رہی ہے اور جس کے کام کو ہندوستان کی کسی بھی ریاستی انجمن ترقی اُردو کی خدمات پر ترجیح اور فوقیت دی جاسکتی ہے۔

غالباً حیدرآباد کے اُردو داں طبقہ کو یاد ہوگا کہ پولیس ایکشن کے بعد ہماری ریاست میں اردو پر مسلسل حملے ہو رہے تھے باہر کے کئی عہدہ دار آگئے تھے جو اُردو سے ناواقف تھے۔ ملازمین کی تخفیف اور دفاتر میں اُردو کے خاتمہ کا آغاز ہو چکا تھا، اُردو داں عوام ان تبدیلیوں پر پریشان تھے۔ ان دنوں ڈاکٹر غلام یزدانی مرحوم، نواب سعید جنگ، فضل الرحمان، راجہ جانکی پرشاد، سجاد مرزا، پروفیسر شروانی، اکبر یار جنگ مرحوم اور حبیب الرحمن نے اُردو کے تحفظ پر سوچ بچار کیا۔ پنڈت سندرلال اور قاضی عبدالغفار بھی ان دنوں حیدرآباد میں تھے یہ طے کیا گیا کہ۔ اُردو کی حفاظت و ترقی کے لئے اگر کچھ نہیں کیا گیا تو اُردو کو سخت نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ ان حضرات کی کوششوں سے انجمن ترقی اُردو قایم ہوئی۔ اس انجمن نے سابق ریاست حیدرآباد میں دو مرتبہ اُردو کانفرنسیں منعقد کیں اور علحدہ کردہ مدرسین، مدارس میں اُردو تعلیم اور دفاتر میں اُردو کے استعمال کے لئے حکومت کو توجہ دلائی گئی اس وقت کے وزیر تعلیم مسٹر گوپال راؤ اکبوٹے نے انجمن کے متعدد مطالبات کو تسلیم کیا اور پولیس ایکشن کے فوری بعد اُردو داں مدرسین سے جو ناانصافیاں ہوئی تھیں اور مدارس میں اُردو تعلیم پر جو حملے ہوئے تھے اس کا ازالہ ہوا۔ ریاست کی تقسیم کا جب وقت آیا، انجمن ترقی اُردو نے اُردو کے تحفظ کے لئے فضل علی کمیشن سے نمایندگی کی۔ جب مرکزی حکومت نے لسانی ریاستوں کے قیام کا اعلان کیا۔ انجمن نے آندھرا کے لیڈروں سے اُردو کا تحفظ مانگا۔ ڈاکٹر گوپال ریڈی نے جو ان دنوں آندھرا کے چیف منسٹر تھے انجمن کو یقین دلایا کہ اُردو کے موجودہ موقف کو متاثر نہیں کیا جائے گا۔ دہلی میں مولانا آزاد سے انجمن نے نمایندگی کی۔ انہی دنوں حیدرآباد کی لسانی اقلیتوں (مرہٹی، کنڑی اور دوسری زبان والوں) کا ایک کنونشن منعقد ہوا جس میں انجمن ترقی اُردو نے بھی حصہ لیا اور لسانی اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کا مطالبہ کیا گیا۔ آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد جب بھی مسائل پیدا ہوئے انجمن نے حکومت کو برابر توجہ دلائی ہے بالخصوص پنچایت راج کے قیام کے باعث نظام تعلیم، ضلع پریشد کے تفویض ہونے سے جو مسائل پیدا ہوئے اس پر حکومت کو توجہ دلانے کی غرض سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی، اس کانفرنس میں اس وقت کے چیف منسٹر مسٹر سنجیویا نے اُردو سے منصفانہ سلوک کا یقین دیتے ہوئے آندھرا کے تین اضلاع کرشنا، کرنول اور گنٹور میں بھی اُردو کے استعمال کا "تاریخی اعلان" کیا۔

یہ صحیح ہے کہ حکومت کی واضح پالیسی کے باوجود اکثر مرتبہ شکایات پیدا ہوئی ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کے وفد نے چیف منسٹر سے لسانی اقلیتوں کے عہدہ دار کی موجودگی میں اس مسئلے پر تبادلہ خیال کیا اور حکومت نے ان شکایات کو دور کرنے کا یقین دیا۔ اب زیادہ تر شکایات اُردو داں مدرسین کی کمی، ٹرینڈ اُردو مدرسین کی قلت اور متوازی اُردو جماعتوں کے قیام میں رکاوٹ سے متعلق ہیں اور جب تک مقامی باشندے توجہ نہ دلائیں یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ حالانکہ اب حکومت نے متوازی اُردو جماعتوں کے قیام کے لئے مالی عطیہ کا لزوم بھی برخاست کر دیا ہے۔ انجمن ترقی اُردو حیدرآباد کو ہر مہینے اضلاع سے مدارس کے تعلق سے شکایتیں آتی ہیں اور انجمن محکمہ تعلیمات سے نمایندگی کرتی ہوئی ان کا ازالہ کراتی ہے۔

گزشتہ سال بورڈ آف ریونیو کے اُردو داں ملازمین کی علحدگی کا اندیشہ تھا انجمن ترقی اُردو کی نمایندگی پر وزیر مال مسٹر این راجہندرا ریڈی نے اس فیصلے کو منسوخ کیا۔ ایسی کئی مثالیں ہیں جو انجمن ترقی اُردو کی خدمات کا واضح ثبوت ہیں۔ مردم شماری کے موقع پر انجمن نے اپنی تمام شاخوں کے ذریعہ آندھرا اور تلنگانہ علاقے کے تمام مقامات پر اپنے نمایندوں کے ذریعے اُردو زبان کے اندراج کی تفہیم کرائی۔ آج انجمن ترقی اُردو کو یہ فخر حاصل ہے کہ اُردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈگری کالج قایم کر دیا ہے۔ گزشتہ سال پی یو سی کلاس قائم تھی اور اس سال بی اے سال اول کی تعلیم شروع ہوئی ہے۔ اُردو آرٹس کالج، ہندوستان بھر میں اُردو اعلیٰ تعلیم کا واحد ڈگری کالج ہے۔ ہندی، تلگو اور اُردو میں اعلیٰ تعلیم کا انتظام اب حکومت نہیں کرتی۔ یہ فرض عوام کو انجام دینا ہے۔ ہندی اور تلگو کے ذریعہ تعلیم کے کالجس کا قیام جہاں عوام کے شعور کا ثبوت تھا وہیں انجمن ترقی اُردو اور اُردو بولنے والے بھی پیچھے نہیں رہے۔

انجمن نے اُردو زبان میں ڈپ او ایل اور بی او ایل کی تعلیم کے لئے ... اُردو کالج قائم کیا ہے جس کی ڈگری حکومت اور پبلک سروس کمیشن دونوں تسلیم کرتے ہیں۔ اس کالج میں اس وقت تقریباً ۱۰۰ طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کی جانب سے ہر سال تلگو داں افراد کو اُردو پڑھانے کا انتظام کیا جاتا ہے چنانچہ اب بھی ہر شام اُردو سیکھنے کے لئے تلگو بولنے والے پروفیسرز، ایڈوکیٹ اور عہدہ دار، اُردو ہال آتے ہیں۔ انجمن اب سکرٹریٹ میں غیر اُردو داں ملازمین کو اُردو سکھلانے کے لئے کلاسس قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ انجمن ترقی اُردو کی شاخیں آندھرا اور تلنگانہ کے مختلف مقامات پر قائم ہیں۔ شہر میں تعلیم بالغان کے بعض مراکز بھی انجمن کے زیر نگرانی ہیں۔ بہر حال انجمن کا ایک کام ہے اور اس کا ایک تسلسل ہے اور کسی زبان کے تحفظ و ترقی کے لئے مرکزی کوشش ہونی چاہئے۔ ہمارے شہر میں کئی دوسرے ادارے بھی ہیں، ان کی کوششوں میں بھی مرکزیت ہے لیکن بدقسمتی سے اُردو کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ چند سال پہلے بھی ایک انجمن نے اُردو کانفرنس منعقد کر ڈالی جس میں دو ڈھائی سو سے زیادہ لوگ شریک نہ تھے۔ حالانکہ بڑی شخصیتوں سے پیامات منگوائے گئے، اور وزراء کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

اب پھر انجمن تحفظ اُردو کے زیر اہتمام ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ انجمن تحفظ اُردو کو جمہوری حق حاصل ہے کہ وہ کانفرنس کرے۔ لیکن اس سے اُردو کو فائدہ کم پہنچے گا۔ چونکہ ایسی کانفرنس، انجمن ترقی اُردو کے موقف و مرکزیت کو متاثر کرنے کی کوشش ہوگی۔ جس کا ثبوت انجمن تحفظ اُردو کے سکریٹری مسٹر چندر سری واستوا اور ان کے رفقاء کار کا وہ بیان ہے جو انھوں نے رائے جانکی پرشاد، مخدوم محی الدین اور دیگر اصحاب کے اس مشورے پر کہ ایسی کانفرنس مرکز گریزیت ہوگی ایسے الفاظ میں دیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انجمن ترقی اُردو ایک بے حس اور سوئی ہوئی جماعت ہے اور اس پر اجارہ داری کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ اس بیان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انجمن تحفظ اُردو کی کانفرنس، اُردو کے تحفظ سے زیادہ، انجمن ترقی اُردو کی اجارہ داری اور بے حسی کے خلاف ہے۔ کسی خرابی کا علاج یہ نہیں ہے کہ ایک علیحدہ کانفرنس بلائی جائے اور انجمن ترقی اُردو نے پچھلے تیرہ چودہ سال میں جو کام انجام دیا ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ اگر انجمن میں خراب عناصر ہیں تو ان کی نشاندہی کرتے ہوئے نکال دیا جائے۔ چونکہ انجمن کسی کی ملکیت نہیں لیکن انجمن بے حس بھی نہیں اور نہ انجمن تحفظ اُردو کی طرح عوام کو کسی غلط فہمی میں مبتلا رکھنا چاہتی ہے۔ عوام کو یاد ہوگا کہ انجمن تحفظ اُردو نے چند دنوں پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ نواب میر احمد علی خاں وزیر اوقاف نے انجمن کو مجاز گردانا ہے کہ حکومت آندھرا پردیش نے ایسے اُردو داں ملازمین کو جن کی عمریں ۴۵ سال ہیں انھیں تلگو سیکھنے کے لزوم سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ لیکن وزیر تعمیرات نے اس کی توثیق نہیں کی، انھوں نے اپنے بیان میں یہ کہا کہ ایسے ملازمین جن کی عمریں ۴۵ سال سے کم ہیں انھیں تلگو سیکھنے کے لزوم سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ انجمن تحفظ اردو کی نمائندگی کا یہ دلچسپ اور متضاد طریقۂ کار ہو سکتا ہے کہ ایک استثنائی صورت رکھتا ہو۔ لیکن اب اس انجمن نے انجمن ترقی اُردو کے ارکان پر جو حملے کئے ہیں اور متوازی حیثیت اختیار کرنا چاہتی ہے اس پر عوام غور اور فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انجمن ترقی اُردو کی کس نااہلی پر ایک نئی انجمن کو ترجیح دی جائے اور اس انجمن کے کام میں رکاوٹ پیدا کی جائے۔ انجمن ترقی اُردو کے کام اور انجمن تحفظ اُردو کی مساعی کے حقیقی جج عوام ہیں ان کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ یقین ہے کہ رائے عامہ اس نئی کوشش کے بارے میں بھی صحیح فیصلہ کرے گی۔

"آبِ خضر" کی پیش کش

اُڑیسہ اُردو پبلشرز کی طرف سے معین الدین احمد صاحب آئی، ایس، اے کی صدارت میں ایک جلسہ کا اہتمام ہوا جس میں پروفیسر کرامت علی کرامت کی تالیف "آبِ خضر" تذکرۂ شعرائے اُڑیسہ کی پیش کش عمل میں آئی۔ صدر محترم نے اُردو کی ترویج و ترقی کے متعلق کچھ مشورے دئے اور مادری زبان کی اہمیت پر زور دیا۔ تقریر کے بعد "آبِ خضر" کی فیتہ کشائی کی گئی اور متعدد کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئیں اور سب نے مصنف کو مبارکباد دی۔

انجمن ترقی اُردو پیلی بھیت کا اجلاس

گزشتہ ماہ، انجمن کا اجلاس عبد الحفیظ نعیمی کی صدارت میں ہوا جس میں حسب ذیل تجاویز منظور ہوئیں۔

(۱) اردو طلبہ اور مدارس کی تعداد معلوم کرنے کے لئے سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن پیلی بھیت اور ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس اور پرنسپل انٹر کالج پیلی بھیت کو دوبارہ یاد دہانی کرائی جائے۔

(۲) انجمن کی فیس ممبری دو روپیہ سالانہ مقرر کی جائے اور دو قسطوں میں وصول کی جائے۔

(۳) مجلس منتظمہ کے ممبران کی فیس تین روپیہ سالانہ رکھی جائے۔

(۴) صوبے سے الحاق کی سند حاصل کی جائے۔

از سلام مچھلی شہری

"ظفر" زندہ باد ——!

(ظفر کی صد سالہ برسی کے مشاعرۂ لال قلعہ دہلی میں پڑھی گئی)

ذکرِ شب اور بہ ہنگامِ سحر کیا معنی
بزمِ جمہور میں شاہوں کا گزر کیا معنی
آج بھی تذکرۂ عہدِ ظفر کیا معنی
کوئی اس طرح بھی سوچے تو اُسے کیا کہیے
ذہنِ یخ بستہ میں اُلجھا ہوا شعلہ کہیے

ایک شاہنشہِ بیدار ظفر تھا کہ نہیں
وقت کے ہاتھ میں تلوار ظفر تھا کہ نہیں
جنگِ آزادی کا سالار ظفر تھا کہ نہیں
ان سوالات میں تاریخ نہیں بٹ سکتی
موجِ حالات میں تاریخ نہیں بٹ سکتی

آج جاگے ہوئے اس عالمِ جمہور میں ہم
ہند کی جلوہ گہہ رشکِ دو طور میں ہم
یوں سمجھئے کہ اسی منزلِ پُر نور میں ہم
جائزہ پچھلے سفر کا بھی ذرا لیتے ہیں
یعنی ہم اپنے بزرگوں کی دعا لیتے ہیں

بین کیوں اب بھی مقابر میں ہوا کرتی ہے
دلی دروازے سے کیوں ہوک اٹھا کرتی ہے
روح سی قلعہ میں کیا چیز پھرا کرتی ہے
کون اولاد کا آنکھوں میں لئے خون گیا
کون سنگینوں کی آغوش میں رنگون گیا؟

وہ شہنشاہ ظفر تھا تو ظفر زندہ باد!
خوں میں ڈوبے ہوئے اے لالۂ تر زندہ باد!
محترم رہبرِ آغازِ سفر! زندہ باد!
تیری یادوں کی مہک سے بھی ہے آباد یہ باغ
ہم ہمیشہ ہی جلاتے ہیں چراغوں سے چراغ

دورِ یک جہتیِ افکار و خیالات ہے یہ
تیری جانب سے ہمارے لئے سوغات ہے یہ
شاعری میں بھی تری ایک اہم بات ہے یہ
مختلف ہوتی ہے صحرا سے چمن کی تہذیب
ہے اَمر جلوہ گہِ گنگ و جمن کی تہذیب

قیصر شمیم

شیو شنکر

جیون کا ساگر متھ متھ کر
میں نے کتنا زہر پیا ہے
تب جا کر اَمرت نکلا ہے!
وہ اَمرت گیتوں میں بھر کر
سارے جگ میں بانٹ رہا ہوں
شیو شنکر ہوں میں اس جگ کا!

زونل کونسل کی وزارتی کمیٹی کا فیصلہ

انجمن ترقی اردو (آندھرا پردیش) نے ریاستی حکومت سے شکایت کی تھی کہ:

(۱) اضلاع کریم نگر، کھمم اور نلگنڈہ میں اُردو کو عدالتی زبان نہیں تسلیم کیا گیا ہے، اور

(۲) خود شہر حیدرآباد میں جہاں اُردو بولنے والوں کی اکثریت ہے اس بات کے انتظامات نہیں ہیں کہ اُردو میں شہادت قلمبند کی جاسکے۔ اور گواہوں کو اُردو میں پڑھ کر سنائی جاسکے اور نہ ایسی صورت موجود ہے کہ وکلا اُردو میں اپنے دلائل پیش کر سکیں۔

اس لئے حکومت سے استدعا کی گئی تھی کہ

(۱) مذکورۂ بالا تینوں اضلاع میں اُردو کو بہ حیثیت عدالتی زبان کے تسلیم کیا جائے، اور

(۲) اُردو بولنے والے علاقوں میں مترجمین کا تقرر کیا جائے یا اُردو داں عہدہ داروں کی تعیناتی کی جائے۔

دفتر وزارت داخلہ حکومت آندھرا پردیش سے اس نمایندگی کا حسب ذیل جواب وصول ہوا ہے۔

(۱) زونل کونسل کی وزارتی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ صرف ایسی زبانوں کو اقلیتی زبانیں تسلیم کیا جائے جن کے بولنے والوں کا تناسب آبادی کے بیس فی صد سے کم نہ ہو۔ اس فیصلے کی روشنی میں چونکہ مذکورۂ بالا تین اضلاع میں اُردو بولنے والی آبادی بیس فی صد سے کم واقع ہوئی ہے اس لئے وہاں اُردو کو عدالتی زبان نہیں تسلیم کیا گیا۔

(۲) جہاں تک ممکن ہو سکے ہائی کورٹ عہدہ داروں کی تعیناتی کے وقت اس بات کا لحاظ رکھتا ہے کہ شہر میں اور دوسرے اضلاع کے مستقروں پر اُردو داں عہدہ داروں کی کافی تعداد موجود رہے۔ چنانچہ حیدرآباد و سکندرآباد میں اور ضلع تلنگانہ کے مستقروں پر اُردو داں عدالتی عہدہ داروں کی تعداد حسب ذیل ہے:

حیدرآباد و سکندرآباد —— ۲۹ کے منجملہ ۱۴
اضلاع کے مستقروں پر —— ۲۳ کے منجملہ ۱۴

(حبیب الرحمٰن)

مراسلات

امام الہند پر تبصرہ

ہماری زبان کے ۸ نومبر ۶۳ء کے پرچے میں محمد عتیق صدیقی صاحب کا تبصرہ "امام الہند" نظر سے گزرا۔ صدیقی صاحب نے پاکستان کے متعلق چند ایک انتہائی تکلیف دہ فقرے لکھے ہیں، جو اُن جیسے مصنف کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں:

"ابو سلمان الہندی جیسے نوجوان پاکستانی کے قلم سے "امام الہند" جیسی کتاب نکلنا، ہمارے لیے خوشگوار تجربہ ہے۔ یہ کتاب اس خوش آیند بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ پاکستان میں صالح ذہن بھی ہیں۔"

تبصرہ کا آخری فقرہ سخت متعصبانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ کیا صدیقی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں ان کی ذاتی پسند کے چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب لوگ فاسد ذہنیت کے ہیں۔ کیا وہ پاکستان کے جلیل القدر علماء اور فضلاء کو غیر صالح ذہنیت کے نمائندے سمجھتے ہیں؟ پاکستان کے کچھ لوگوں کو مولانا آزاد کے سیاسی عقائد سے اختلاف ضرور تھا۔ مگر جہاں تک ان کی مذہبی بزرگی کا تعلق ہے پاکستانی عوام آج بھی اُن کی دل سے عزت کرتے ہیں، اور اُن کی بزرگی تسلیم کرتے ہیں، اگر صدیقی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ سیاسی عقائد سے اختلاف رکھنے والے لوگ گندے ہوتے ہیں، تو اس بات کو بنیاد بنا کر خود اُن کے متعلق بھی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مجھے ان کے تبصرے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے پوری پاکستانی قوم کی بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات معمولی نہیں، انتہائی غلط رجحان کی ترجمانی کرتی ہے۔ یہ بات ایک دانشور نے کہی ہے۔ اگر دانشور ہی ایسی گمراہ کن تحریریں لکھنے لگے تو نتیجہ یقیناً خطرناک ہوگا۔ (تبسم کاشمیری۔ لاہور)

جواب از محمد عتیق صدیقی

"امام الہند" کے تبصرے کے سلسلے میں تبسم صاحب کشمیری کا احتجاجی مراسلہ پڑھ کر دُکھ بھی ہوا اور خوشی بھی۔ دُکھ اس کا ہوا کہ میرے ایک جملے سے جو غیر شعوری طور پر میرے قلم سے نکل گیا تھا، تبسم صاحب کے جذبات مجروح ہوئے۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ خوشی اس کی ہوئی کہ ہمارے عزیز ہمسایہ ملک کی نئی آنے والی نسل کے نوجوانوں میں قومی وقار کا احساس بدرجہ اتم موجود ہے۔

میں ہندوستان و پاکستان کی دوستی کی اہمیت و ضرورت کا صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس کا مبلغ بھی ہوں لیکن اب کچھ مایوس ہو چلا ہوں۔ "صالح ذہن" والا جملہ مایوسی کے ان ہی جذبات کی شاید صدائے بازگشت تھا۔ رہا فاسد ذہن کا معاملہ وہ دونوں ملکوں میں پائے جاتے ہیں، کہیں کم کہیں زیادہ۔ (محمد عتیق صدیقی)

سہ لسانی فارمولا اور عدالتی کارروائی

لکھنؤ میں جو اُردو کی کانفرنس ہوئی اُس میں جناب آنند نرائن مُلّا صاحب نے فرمایا کہ دلّی میں جو "سہ لسانی فارمولا" کے سلسلے میں صوبائی وزراءِ اعظم آئے اور یہ طے ہوا کہ سہ لسانی فارمولا کے تحت سنسکرت نہیں آتی کیونکہ وہ جدید زبان نہیں ہے۔ یہی بات پنڈت نہرو نے بھی کئی بار کہی، اس کے علاوہ متعدد رسالوں اور اخباروں میں یہ بات پہلے بھی پڑھی جا چکی ہے۔ اس وقت جو اتر پردیش میں سنسکرت کی آڑ لے کر اُردو کا گلا گھونٹا جا رہا ہے تو کیا انجمن ترقی اُردو کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ محکمۂ تعلیم یا اتر پردیش سرکار جہاں بھی اس سہ لسانی فارمولے کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہو کورٹ میں دعویٰ کیا جا سکے اور اتنے بڑے ہنگامے کا سبب جو بات بنی ہے اس کو قانون اور عدالت کے ذریعے طے کیا جائے، کیونکہ عوام کی رائے حاصل کرنے میں ایک زمانۂ دراز کی بات ہے۔ پھر بھی اگر اس میں کامیابی ہوئی تو چند افراد جنھوں نے اب گھپلا کیا پھر بھی جانبدار ثابت ہوں گے۔ خاص کر اُتر پردیش میں عوام کی غالب تعداد اُردو کے حق میں ہے اور دلچسپی بھی لیتی ہے لیکن قانونی مراعات صاف صاف پیش نہ کئے جانے کی وجہ سے لوگوں کو من مانی کرنے سے باز رکھنا مشکل ہو گیا ہے جیسا کہ اس سال بھی سہ لسانی فارمولا کے سلسلے میں دیکھا جا رہا ہے۔ انجمن ترقی اُردو ہی اُردو کے سلسلے میں ایک واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اگر یہ بھی اس سلسلے میں قدم نہیں اُٹھاتی تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ (سید آلِ حسن زیدی)

صدائے درد

علامہ اقبالؒ کی یہ نظم سب سے پہلے جون ۱۹۰۲ء کے رسالۂ مخزن لاہور میں شائع ہوئی تھی۔ نظر ثانی میں بانگ درا کی ترتیب کے وقت صرف نو شعر رہ گئے۔ اس نظم میں جب مخزن میں چھپی تھی تو دو بند تھے۔ دوسرے بند کے ساتویں، نویں اور گیارہویں شعر کو پہلے بند میں شامل کر لیا اور پہلے بند کے آخری چار شعروں کو دوسرا

بند بنا دیا۔ نوادرِ اقبال کے مرتب جناب عبدالغفار شکیل صاحب نے نوادرِ اقبال میں پوری نظم درج کر دی ہے مگر ان کا حاشیہ (ص ۲۱۳) میں یہ لکھنا کہ بانگ درا میں ص ۲۹ پر اس نظم کے صرف پانچ شعر ملتے ہیں سراسر غلط ہے۔

نوادرِ اقبال (ص ۲۱۳ تا غایت ۲۱۷) میں اس نظم کے کئی شعر غلط چھپے ہیں جن کی اصلاح کے خیال سے مضمون ہذا اشاعت کے لئے "ہماری زبان" میں بھیج رہا ہوں۔ ناظرین نوادرِ اقبال کی غلطیوں کو درست فرمائیں۔

حوالجات: (۱) مخزن (۲) بانگ درا صفحہ ۲۹۔ (۳) سرودِ رفتہ ص ۱۰۶۔ (۴) باقیاتِ اقبال ص ۱۴۹۔

اشعار مندرجہ نوادرِ اقبال	اصلاح
(۱) سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے	(۱) ....
وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے	وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے
(۲) اں سلام اے حلقۂ بود و اسپ گوتم تجھے	(۲) اں سلام آخری اے سوادِ گوتم تجھے
اب فضا تیری نظر آتی ہے نامحرم مجھے	اب فضا تیری نظر آتی نہیں محرم مجھے
(۳) الوداع اے مدفنِ ہجویری و اعجاز دم	(۳) الوداع اے مدفنِ ہجویری اعجاز دم
رخصت اے آرام گاہِ شنکر جادو رقم	....
(۴) دل حزیں ہے جان میں رنج بے اندازہ ہے	(۴) دل حزیں ہے جان میں رنج بے اندازہ ہے
آہ اک قرن تھا اپنا سو وہ بے شیرازہ ہے	آہ اک قرن تھا اپنا وہ بھی بے شیرازہ ہے
(۵) اپنی اصلیت سے ناواقف ہیں کیا انسان ہیں	(۵) اپنی اصلیت سے ناواقف ہیں کیا انسان ہیں یہ
غیر اپنوں کو سمجھتے ہیں عجب نادان ہیں	غیر اپنوں کو سمجھتے ہیں عجب نادان ہیں یہ
(۶) ہم نے یہ مانا کہ مذہب جان ہے ایمان کی	(۶) ہم نے یہ مانا کہ مذہب جان ہے انسان کی
کچھ اسی کے دم سے قائم شان ہے انسان کی	....
(۷) وصل محبوبِ ازل کی ہیں یہ تدبیریں سبھی	(۷) وصل محبوبِ ازل کی ہیں یہ تدبیریں سبھی
اک بیاضِ نظمِ ہستی کی ہیں تصویریں سبھی	اک بیاضِ نظمِ ہستی کی ہیں تفسیریں سبھی
(۸) ایک ہی مے ہے اگر ہر چشمِ دل مخمور ہے	(۸) ایک ہی مے ہے اگر ہر چشمِ دل مخمور ہے
یہ عداوت کیوں ہماری بزم کا دستور ہے	......................؟

(محمد بشیر الحق دسنوی)

"کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اردو زندہ رہ سکتی ہے"

ہماری زبان مورخہ ۸ نومبر ۶۳ء میں جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک مراسلہ "کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اردو زندہ رہ سکتی ہے" نظر سے گزرا۔

میں پندرہ سال سے ایک ہائی اسکول میں اردو کی تعلیم دے رہا ہوں اور دس سال سے ایک اردو لائبریری کی خدمت کر رہا ہوں۔ اپنے تجربے کی بنا پر میں ہاشمی صاحب سے حرف بحرف متفق ہوں۔ کیونکہ روز بروز یہ حال ہوتا جا رہا ہے کہ نہ صرف دیہاتی بلکہ شہری طبقہ بھی جن کی مادری زبان اردو ہے اسکولوں میں اردو تعلیم ترک کر کے ہندی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ آج سے کچھ سال قبل میرے اسکول میں شاید ہی کوئی ایسا طالب علم ہو جس کی مادری زبان اردو ہو اور وہ ہندی پڑھتا ہو لیکن آج یہ کیفیت ہے کہ کم سے کم آٹھ دس طلبہ ایسے موجود ہیں جو کہ اردو کو ترک کر کے ہندی اختیار کئے ہوئے ہیں، اور ہر سال ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ایسے لوگ جو کہ اردو کے معلم ہیں وہ بھی اپنے بچوں کو اردو پڑھانے کے لئے تیار نہیں۔ اور اردو کی تعلیم کا انتظام ہونے کے باوجود ہندی پڑھا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ سمجھنا کہ اردو ہندوستان میں زندہ رہے گی فریب نفس نہیں تو اور کیا ہے۔ کسی مریض کی موت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ اس کو اپنے مرض کا احساس ہی نہ ہو اور اگر احساس ہو بھی تو تشخیص غلط ہو۔ آج بدقسمتی سے اردو کے ساتھ یہی معاملہ درپیش ہے۔

اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ آج ملک کے اندر نہ صرف بڑے ہی شہروں میں بلکہ معمولی قصبات تک میں مشاعرے بڑی ہی شان و شوکت سے منعقد ہو رہے ہیں، لیکن یہ اردو کی زندگی کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ تو لوگوں کے بگڑے مذاق کا ایک کھلا ثبوت ہے، جو صرف چند گھنٹوں کی تفریح طبع کے لئے تو سیکڑوں روپے خرچ کر دیتے ہیں لیکن جب کسی تعمیری کام کی اسکیم پیش کی جاتی ہے تو وہی لوگ اپنی مفلسی کا رونا روتے ہیں۔ جس طرح آج مذہب کے نادان دوست سیرت کے جلسوں کو مذہبی خدمت سمجھتے ہیں اسی طرح اردو کے نادان ہمدرد مشاعروں کو زبان و ادب کی خدمت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جاننے والے جانتے ہیں کہ نہ تو سیرت کے جلسوں کے ذریعہ مذہب کو زندہ رکھا جا سکتا ہے اور نہ مشاعروں کے ذریعہ اردو کو۔

اردو کے اخبار و رسائل کے متعلق ہاشمی صاحب نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس شہر میں کم سے کم چھ سات ہزار اردو داں آبادی ہے لیکن صرف ایک روزانہ اخبار آتا ہے اور وہ بھی پندرہ سولہ کی تعداد میں۔ کیونکہ تعلیم یافتہ طبقہ جو کہ اسٹیج پر تو اردو کی ہمدردی میں اپنی پوری طاقت گویائی کو صرف کر دیتا ہے وہ اردو اخبار و رسائل کو ہاتھ میں لینا ہی اپنی توہین سمجھتا ہے اور غریب عوام کو اپنی دال روٹی ہی سے کب فرصت کہ وہ اخبار کے لئے کچھ پیسے خرچ کریں۔ وہ تو یہ کہیے کہ ہوٹلوں اور پان کی دوکانوں کے مالک اپنے گاہکوں کی خاطر اخبار لیتے ہیں جس سے کچھ اردو اخباروں کی بکری ہو جاتی ہے۔

میرے ناقص خیال میں اردو کو زندہ رکھنے کا واحد

ذریعہ یہ ہے کہ ہنگامی جلسوں اور مشاعروں سے الگ ہو کر کچھ ٹھوس تعمیری کام کیے جائیں جس کی صورت میرے نزدیک یہ ہے کہ :-

(۱) ہر اس گاؤں میں جہاں اُردو بولنے والوں کی کم سے کم ڈیڑھ دو سو آبادی ہو ایک ابتدائی مکتب قائم کرنا۔

(۲) ہر تھانہ میں کم سے کم ایک اُردو مڈل اسکول کھولنا۔

(۳) ہر سب ڈویژن میں ایک معیاری اُردو لائبریری کا ہونا۔

(۴) ہر ضلع میں ایک اُردو ہائی اسکول کھولنا۔

(۵) ہر صوبے میں ایک ادارہ مطبوعات اُردو کا ہونا جو کہ اُردو کی معیاری کتابوں کی اشاعت کیلئے کوشش کرے۔

(لطافت حسین شمسی، سکریٹری انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد گیا)

ادارہ: اس سلسلے کے اور مراسلات آئے ہوئے ہیں آئندہ اشاعتوں میں دئے جائیں گے۔

کتابوں پر انعامات

حکومت یو۔پی نے انعامات کے لئے ملک بھر کے مصنفین سے ہندی، سنسکرت اور اُردو میں اعلیٰ درجہ کی طبعزاد تخلیقات اور ترجمے طلب کئے ہیں۔ ریاستی حکومت کے ہندی لٹریچر فنڈ سے ہر سال ادب، سائنس، فلسفہ، تعلیم، سیاسیات، تاریخ، معاشیات اور بچوں کے ادب سے متعلق کتابوں پر کل ۱۷ ہزار پانچ سو روپے کے ۴۷ انعامات دئے جاتے ہیں۔ اُردو کتابوں پر دئے جانے والے انعامات درج ذیل ہیں:

(۱) ۱۵۰۰ روپے کا غالب انعام (۲) ۱۲۰۰ روپے کا اکبر الہ آبادی انعام (۳) ۸۰۰ روپے کا رام پرشاد بسمل انعام متفرق کتابوں پر پانچ پانچ سو روپے کے پانچ انعامات دئے جاتے ہیں۔

انعامات کے لئے صرف اُنہی کتابوں پر غور کیا جائے گا جو یکم جنوری ۱۹۶۲ء اور ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کے درمیان شائع ہوئی ہیں۔ اگر انعام سے متعلق کمیٹی کسی ایسی کتاب کو جو انعام کے لئے نہیں بھیجی گئی ہے اعلیٰ درجہ کی سمجھے گی تو اس کتاب پر بھی انعام کے لئے غور کیا جائے گا۔ اگر کسی موضوع پر اعلیٰ درجہ کی کوئی کتاب موصول نہ ہوگی تو اُس پر انعام نہیں دیا جائے گا۔

ہر کتاب کے آٹھ نسخے، اس کی تاریخ اشاعت، مصنف کا نام اور پتہ، نیز اس انعام کے نام کی تفصیل کے ساتھ جس کے لئے کتاب بھیجی گئی ہے سکریٹری پرسکار یوجنا سمیتی ایجوکیشن "سی" ڈیپارٹمنٹ یو۔پی گورنمنٹ ودھان بھون لکھنؤ کے یہاں ۱۵ فروری ۱۹۶۴ء تک بھیج دینا چاہیے۔

بیادِ سرورؔ

منشی درگا سہائے سرورؔ جہاں آبادی کے یومِ وفات ۳ دسمبر کے موقع پر اُن کی آخری نظم "ترانۂ وحدت" کے آخری چند اشعار نذرِ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ اقبال کرشن۔

میری جانب سے دمِ سرد یہ بھر کر کہنا
اُس کے کوچے میں گزر ہو جو نسیمِ سحری
اُلٹی سانسیں ترا بیمارِ وفا لیتا ہے
تیری فرقت میں نہیں تابِ شکیبِ جگری
شدّتِ ضعف سے ہے گریۂ پیہم دشوار
نام کو بھی نہیں آنکھوں میں اب اشکوں کی تری
نہ وہ فریاد کی طاقت ہے نہ یارائے فغاں
اب نہ وہ نالۂ شبگیر نہ آہِ سحری
نقشِ حسرت ہے سرِ بستر اندوہ و وفا
اور ہے بالیں پہ قضا وقفِ غمِ نوحہ گری
تکتی ہے تیرے تصوّر میں دمِ باز پسیں
ہائے کس یاس سے مُنھ سب کا پریشاں نظری
اپنے بیمارِ محبت کی خبر لے اب تو
کہ ہے مہماں کوئی دم کا یہ چراغِ سحری

۳ دسمبر ۱۹۰۳ء ولادت اندر جیت شرما؛
۳ دسمبر ۱۹۱۰ء وفات درگا سہائے سرور جہاں آبادی؛
۳ دسمبر ۱۹۶۱ء وفات باسط بھوپالی

پندرہ مصنّفین کو انعامات

بچوں کے ادب کے انعامی مقابلے میں ہندوستانی زبانوں میں بچوں کے لئے کتابیں لکھنے والوں کو بارہ (۱۲) انعامات ایک ایک ہزار روپے کے اور دو انعامات پانچ پانچ سو روپے عطا کئے گئے ہیں۔

اُردو کی کتاب "توانائی کا راز" کے مصنف مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اطہر پرویز بھی ایک ہزار روپے کے انعام پانے والوں میں ہیں۔

ندوے کا نیا پندرہ روزہ اخبار

دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ تعمیر و ترقی کے زیرِ اہتمام ایک پندرہ روزہ اخبار "تعمیرِ حیات" کے نام سے مولانا محمد الحسینی کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے۔

اُردو کے ساتھ انصاف کے لئے اقدامات کی ضرورت

حیدرآباد۔ ۵ر نومبر، ہندوستان کے نامور صحیفہ نگار شری رنبیر جی جنرل سکریٹری آل انڈیا نیوز پیپرس ایڈیٹرز کانفرنس صدر سنٹرل پریس ایڈوائزری کمیٹی نے ملک میں اردو کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے باقی و برقرار رکھنے کے لئے کل ہند سطح پر ہندی کے بعد اُردو کو ایک مرکزی اور لازمی سرکاری زبان بنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جب تک اُردو کے اس موقف کا تحفظ نہ کیا جائے اس وقت تک اس زبان کے ساتھ ناانصافیوں کا سلسلہ جاری رہے گا اور یہ زبان اپنے ملک ہی میں "بے وطن" ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان میں کانگریس کے سوشلزم کا جو حال اور حشر ہوا ہے لگ بھگ اُردو بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہے۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں اُردو کے موقف کو نقصان پہنچا ہے۔ اور اس زبان کی ترقی و ترویج اور اس کے مفادات کے لئے زبانی جمع خرچ کے علاوہ کوئی عملی کام نہیں ہوا ہے۔ جب تک مرکزی اور ریاستی حکومتیں خلوص دل اور سچائی کے ساتھ اُردو کے ساتھ حقیقت پسندانہ رویہ اختیار نہ کریں گی اس وقت تک ایسی شکایتیں باقی رہیں گی۔

شری رنبیر نے اس بات پر زور دیا کہ پنجاب، اترپردیش، دہلی، کشمیر، ہماچل پردیش، بہار اور آندھرا پردیش میں اُردو کو ایک لازمی سرکاری اور علاقائی زبان کا درجہ اور موقف دیا جانا چاہئے۔ چونکہ ان علاقوں میں لاکھوں کروڑوں اُردو بولنے والے بھی رہتے بستے ہیں ... ان کا مطالبہ پورا کرنا ضروری ہے۔ اترپردیش میں سہ لسانی فارمولا کے تحت اُردو بولنے والوں کے حقوق پر وار کرنے والے فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اترپردیش میں مدارس میں بچوں کے لئے مادری زبان اُردو میں معقول تعلیم کا انتظام صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ اس ریاست میں اُردو کو ایک علاقائی سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے اور اس مقصد کے حصول کے لئے صحیح سمتوں میں جد وجہد اور اجتماعی مساعی ضروری ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان میں اُردو کے موقف کے بارے میں ان کا یہ تاثر تھا کہ اس زبان کے لئے ... زبانی جمع خرچ اور ہمدردیوں کے علاوہ کوئی ٹھوس اور عملی قدم حکومتوں کی طرف سے ابھی تک نہیں اٹھایا گیا ہے۔ شری رنبیر نے اُردو کے ساتھ انصاف کے سلسلے میں مرکزی حکومت کی بے بسی اور مجبوری پر بھی تنقید کی اور کہا کہ مرکزی حکومت کو اپنی دستوری ... ذمہ داریاں بہرحال پوری کرنی چاہئیں۔ انھوں نے آندھرا پردیش میں تلگو بولنے والے ملازمین کے لئے اُردو یا ہندی ٹیسٹ کی کامیابی کے لزوم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس سے اُردو کو ... کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ چونکہ یہ ملازمین راشٹر بھاشا ہندی سیکھنے کو ترجیح دیں گے۔ نظم و نسق میں اگر اُردو کے امتحان کو برقرار رکھنا ہے تو ان ملازمین کو اُردو سیکھنے کا پابند کیا جانا چاہئے۔ انھوں نے اس بات پر بھی افسوس کا اظہار کیا کہ اُردو بولنے والوں میں اظہار خیال اور بات چیت کے لئے انگریزی یا دوسری زبانوں کے استعمال کا رجحان مستحکم ہوتا جا رہا ہے۔ مادری زبان کے ساتھ ایسا سلوک مناسب بات نہیں۔

شری رنبیر جی نے یہ بھی کہا کہ اُردو زبان کے ساتھ جب تک معاشی پہلو وابستہ نہ کیا جائے گا اس وقت تک لوگ اُردو پڑھنے کی طرف سنجیدگی سے غور نہیں کریں گے زبان کے معاشی پہلو کی افادیت اور اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے اُردو کے اس اہم اور ناگزیر پہلو کو منوانے کی ضرورت پر بھی زور دیا۔ انھوں نے مطبوعات اخبارات اور رسائل کی اشاعت میں اضافہ کے لئے موجودہ رسم الخط کی تبدیلی کی تائید کی اور کہا کہ اُردو کا رسم الخط موجودہ عصری دور کے تقاضوں کی تکمیل کے موقف میں نہیں ہے۔ اپنے حالیہ دورۂ یورپ میں انھوں نے کئی ممالک میں اُردو ٹائپ کی تیاری کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال اور بات چیت کی لیکن یورپی ماہرین اس کو ایک ٹیڑھا اور پیچیدہ مسئلہ سمجھتے ہیں۔ شری رنبیر نے اس بات پر مسرت اور اطمینان کا اظہار کیا کہ ملک میں اُردو اخبارات اور رسائل کی تعداد اشاعت اور مقبولیت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور اُردو پریس قومی تقاضوں کی تکمیل میں کسی سے پیچھے نہیں ہے۔

شری رنبیر ۱۲ر نومبر کو دلی واپس ہو جائیں گے۔ وہ ان دنوں حیدرآباد میں اپنے والد مہاتما آنند سوامی سرسوتی کے آپریشن کے موقع پر موجود رہنے کے لئے آئے تھے۔ (ملاپ)

یوم مجاز

۱۴ر نومبر۔ جنتا کافی ہاؤس میں لکھنؤ کے ادیبوں اور شاعروں کا ایک جلسہ مسٹر منظر سلیم کی صدارت میں ہوا جس میں یوم مجاز منانے کا فیصلہ کیا گیا یہ بھی طے کیا گیا کہ اس سلسلے میں پانچ پروگرام رکھے جائیں جن میں اُردو اخبارات و رسائل کی کل ہند نمائش، بزم تقاریر، بزم مقالہ، بزم مشاعرہ اور مجاز کی شخصیت و فن پر ایک کتاب شامل ہے

"کل راجستھان اُردو سمپوزیم جے پور"

جے پور (ڈاک سے) انجمن ترقی اُردو راجستھان نے باامداد ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان اودے پور تاریخ ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ ارنومبر کو مسلم مسافر خانہ جے پور میں ایک آل راجستھان اُردو سمپوزیم (مذاکرہ) و مشاعرہ منعقد کیا جو بہت بڑے پیمانے پر انعقاد پذیر ہوا۔ ۱۵ ارنومبر کو اس کا افتتاح ڈاکٹر سمپورنانند صاحب گورنر راجستھان فرمانے والے تھے مگر یکایک سخت علیل ہو جانے کے باعث وہ تشریف نہ لاسکے اس لئے شری موہن لال سکھاڑیہ چیف منسٹر راجستھان نے اس کا افتتاح فرمایا۔ جناب خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری صدر انجمن ترقی اُردو راجستھان نے انجمن ترقی اُردو کا تعارف اور اس کی خدمات کا اظہار نہایت جامع و بالغ الفاظ میں کرتے ہوئے وزیراعلیٰ راجستھان سے افتتاح کی درخواست کی۔ چنانچہ وزیراعلیٰ صاحب نے اس موقع پر عمدہ تقریر فرماتے ہوئے یقین دلایا کہ گورنمنٹ راجستھان کا دماغ اُردو کی طرف سے بالکل صاف ہے۔ انھوں نے کہا کہ اُردو ہندوستان کی زبان ہے ہندوستان میں پھولتی پھلتی رہی ہے اور برابر پھولتی پھلتی رہے گی۔ انھوں نے کہا کہ حکومت کے علم میں یہ بات ہے کہ نیچے درجے کے ماتحت خاطر خواہ طریقے پر حکومت کے احکام کی تعمیل نہیں کر رہے ہیں۔ مگر یقین کیجیے کہ حکومت اپنے احکام کی تعمیل ضرور کرائے گی۔ اس کے لئے براہ راست ہر وہ شکایت جو اس سلسلے میں پیش آئے میرے نوٹس میں لائی جائے۔

سمپوزیم کی بابت انھوں نے فرمایا کہ یہ نہایت مفید اجتماع ہے۔ انجمن ترقی اُردو راجستھان، اور ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان نے مل کر جو لسانی اتحادی اور ادبی قدم اٹھایا ہے وہ نہایت مبارک ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ شعراء کا کلام ادباء کے مقالے وغیرہ چھپوانے میں حکومت آپ کی خاطر خواہ مدد کرے گی آپ ایسے اجتماعات برابر کیجیے۔ میں انجمن ترقی اُردو کے عہدہ داران اور ساہتیہ اکیڈیمی راجستھان کے صدر شری جنار دھن رائے ناگر کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے ملک اور قوم کے لئے بہترین اجتماعی نمونہ پیش کیا ہے۔ پنڈت سندر لال صاحب نے کارکنوں کی درخواست پر ایک گھنٹہ کامل اتحاد و اتفاق پر، ادباء کی خدمات اور دیگر حالات حاضرہ پر ایسی بصیرت افروز تقریر فرمائی کہ ہزاروں سامعین ہمہ تن گوش اور نقش بدیوار بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد جناب جنار دھن رائے صاحب صدر ساہتیہ اکیڈیمی نے بصیرت افروز تقریر کی اور انھوں نے یقین دلایا کہ وہ اُردو کی بھی ایسی ہی امداد کریں گے جیسی ہندی کی۔ انھوں نے کہا کہ ساہتیہ اکیڈیمی اور انجمن ترقی اُردو کا یہ اتحاد اور میل جول نہایت مبارک ہے اور ادب کے لئے بے حد مفید۔ میں پنڈت اوتار نراین صاحب بہادر کنوینر سمپوزیم کمیٹی اور مولوی احترام الدین صاحب شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اُردو راجستھان کی انتھک کامیاب کوششوں، صلاحیتوں اور مثالی انتظامات دیکھ کر ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور ہر امکانی امداد کا یقین دلاتا ہوں۔ اس کے بعد مقالہ خوانی شروع ہوئی مولوی احترام الدین صاحب نے ہر ادیب اور شاعر کا تعارف ان کی خصوصیات کے ساتھ سامعین سے کرایا۔ اول نفاست علی خاں راہی شہابی نے ایک نظم بعنوان "فنکار کے دعوے" سنائی پھر تین مقالے اور تین نظمیں پڑھی گئیں۔ مقالے اور نظم کا عنوان تھا: "ملک کی آزادی و اتحاد میں ادیبوں کا حصہ" ہر مقالے کے بعد ایک نظم پڑھی گئی اس کے بعد طرحی مشاعرہ شروع ہوا۔ "جس بام پر نگاہ پڑی کوہ طور تھا"

۱۶ ارنومبر کو بھی آٹھ بجے شب جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت خان برکت اللہ خاں صاحب ڈپٹی منسٹر راجستھان نے فرمائی۔ سامعین کی پُرزور درخواست پر جناب پنڈت سندر لال صاحب نے پھر مجمع کو خطاب کیا۔ طرحی مشاعرہ ختم ہونے پر سید محمد علی شاہ صاحب میکش اکبرآبادی سے درخواست کی گئی کہ وہ غیر طرحی غزل سنائیں۔ آپ نے تین غیر طرحی غزلیں ارشاد فرمائیں۔

۱۷ ارنومبر کا جلسہ اور بھی زیادہ کامیاب رہا۔ اس جلسہ کی صدارت ہری بھاؤ صاحب وزیر تعلیم کرنے والے تھے لیکن ضروری کام ہونے کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے اس لئے شری ناگر نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ مقالے اور نظمیں حسب معمول پڑھے جاتے رہے اور طرحی مشاعرہ بھی اسی طرح ہوا۔ آج کا اجتماع کل سے بھی زیادہ تھا۔ طرحی مشاعرہ ختم ہونے پر اول روش صدیقی صاحب نے سامعین کی درخواست پر تین غزلیں سنائیں۔ اُن کے بعد میکش اکبرآبادی نے دو غزلیں ارشاد فرمائیں۔ آج کا اجتماع آخری اجتماع تھا۔ سامعین نے کارکنان انجمن کو پُرخلوص مبارکباد پیش کیں اور پُرزور درخواست کی کہ ایسے اجتماعات ہوتے رہنے چاہئیں۔

(محمد سراج الحق سکریٹری انجمن ترقی اُردو جے پور)

لسانی اقلیتوں کے تحفظات اور مشرقی زونل کونسل کے فیصلے

پٹنہ۔ ۱۵؍نومبر مشرقی زونل کونسل کی میٹنگ لسانی اقلیتوں کے بارے میں تحفظات کا فیصلہ کرنے کے بعد کل ختم ہو گئی میٹنگ نے متعلقہ صوبوں سے کہا ہے کہ وہ کونسل کے پہلے والے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کا انتظام کریں اور ایسے مقامات کی فہرست تیار کریں جہاں لسانی اقلیتیں آبادی میں پندرہ سے بیس فی صدی تک ہیں۔ اڑیسہ اور مغربی بنگال کے وزرائے اعلیٰ نے سہ لسانی فارمولے کو عملی جامہ پہنانے اور موجودہ انتظامات میں ترمیم کرنے پر آمادگی ظاہر کی تاکہ ان میں وزرائے اعلیٰ کانفرنس کے فیصلوں سے ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔

کونسل نے فیصلہ کیا کہ آسام اور اڑیسہ کی حکومتیں پرائمری منزل میں مادری زبان میں تعلیم دینے کا انتظام کریں اگر اس زبان کو پڑھنے کے خواہش مند بچے کسی درجے میں دس یا دس سے زیادہ ہوں تو اس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے بچوں کی تعداد اسکول میں کم از کم چالیس ہو۔

آسام نے اس فارمولے کو ایسے اسکولوں میں بھی رائج کرانے کا وعدہ کیا ہے جہاں والدین نے اپنے بچوں کو مادری زبان کے بجائے آسامی زبان میں تعلیم دلانے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔

جہاں تک ثانوی مرحلے کی تعلیم کا تعلق ہے، بہار کے وزیر اعلیٰ اور وزیر تعلیم نے موجودہ ہدایات میں ترمیم کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے تاکہ ان کو کانفرنس کی سفارشات کے مطابق بنایا جا سکے۔

یہ طے پایا کہ مشرقی زون کے تمام صوبے نظرثانی شدہ فارمولے کو اختیار کریں۔ اس کے تحت مادری زبان میں تعلیم کا انتظام کرنا ہوگا بشرطیکہ کسی اسکول میں ساٹھ لڑکے ہوں یا سکنڈری مرحلے کے سب سے نیچے درجے میں کم از کم پندرہ لڑکے ہوں۔

انجمن اشاعتِ اردو کا سالانہ جلسہ

انجمن اشاعتِ اردو میسور کا سالانہ جلسہ پروفیسر نذیر احمد صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ریاستی وزیر تعلیم، ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات، ایجوکیشنل آفیسر اور ہندی، اردو اور کنڑی کے ممتاز اساتذہ، ادبا اور شعرا زینت جلسہ تھے۔ محترم وزیر تعلیم ضلع نے انجمن کی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کو سراہتے ہوئے ہر قسم کے تعاون و امداد کا وعدہ فرمایا۔ اور جامعۂ اردو علی گڑھ کے امتحانات کی منظوری کا بھی وعدہ کیا۔

شاخ لکھنؤ کے حلقہ وار جلسے

انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کا حلقہ وار جلسوں کے سلسلے میں کٹرہ اعظم بیگ میں جناب وسیم الدین قدوائی کی صدارت میں ایک جلسے میں حلقے کے ہمدردانِ اُردو کے علاوہ انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی اور اراکین انجمن امین سلونوی، سید امیر حسن نورانی ساحر لکھنوی، نہال رضوی وغیرہ نے شرکت کی ساحر لکھنوی نے جلسے کی اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور اُردو تعلیمی مہم کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔ امین سلونوی نے سہ لسانی فارمولے کی وضاحت کی، اور اپنے اپنے حلقوں کے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا جائزہ لینے اور انجمن کے زیادہ سے زیادہ ممبر بننے پر زور دیا۔ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی نے انجمن ترقی اُردو کی خدمات اور کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ انجمن ترقی اُردو کو اور مضبوط بنانا ہر محبِ اُردو کا فرض ہے۔ انھوں نے کہا کہ ابھی لکھنؤ میں ۷۵ فی صدی طلبہ ایسے ہیں جن کو اُردو تعلیم سے محروم کیا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ انجمن کی حلقہ وار کمیٹیاں قایم ہوں اور یہی کمیٹیاں اُردو تعلیم کی توسیع و اشاعت کریں، اُردو کے زیادہ سے زیادہ ہمدرد بنائیں، طلبہ اور ان کے سرپرستوں سے رابطہ قائم کر کے انکی مشکلات کو دور کریں۔ اس سلسلے میں جناب وسیم الدین قدوائی صدر، ظفر عباس، محمود صاحب، اشاہد صاحب اور شعور صاحب پر مشتمل ایک اُردو تعلیمی جائزہ کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ جلسے نے حسب ذیل تجویز متفقہ طور پر پاس کی۔

انجمن ترقی اُردو کی حلقہ وار میٹنگ کا یہ جلسہ لکھنؤ میں منعقدہ سہ لسانی کنونشن کی تجاویز کی پوری پوری تائید کرتا ہے اور انجمن ترقی اُردو سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ حکومت سے پُرزور مطالبہ کرے کہ وہ سہ لسانی فارمولے کے تحت ہر اسکول میں اُردو تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کرے۔ اسی جلسے میں آئندہ دس یوم کے جلسوں کا پروگرام طے ہوا اور مختلف حلقوں میں جلسوں کی ذمہ داری لوگوں نے لی۔

لکھنؤ کی انجمن ترقی اُردو نے طے کیا ہے کہ اُتر پردیش میں اُردو تحریک کو منظم کرنے اور اُردو کے تحفظ و ترقی کی جدوجہد کو تیز تر کرنے کیلئے ایک پندرہ روزہ اخبار "نوائے اُردو" کے نام سے جلد سے جلد جاری کرے۔ ابتدائی انتظام کئے جا رہے ہیں۔ تاریخ و آغاز کا عنقریب اعلان کیا جائے گا۔ سید امیر حسن نورانی کو اس سلسلے کے انتظامات کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ "نوائے اُردو" کے نام منظوری اور ڈکریشن کے بعد فوراً اخبار جاری ہو جائے گا۔

ملک اسماعیل حسن

تبصرہ

نگار کا "نیاز نمبر"

نگار اردو کا وہ واحد ادبی رسالہ ہے جو گزشتہ چالیس برس* سال سے اب تک برابر نکلتا رہا ہے، اور اب بھی اسی وضع و انداز سے نکل رہا ہے، اس میں شروع سے جیسے معیاری و وزنی ادبی و تحقیقی، لسانی، معلوماتی اور مذہبیاتی مضامین چھپتے رہے ہیں، ویسے شاید ہی کسی رسالے میں ہمیشہ چھپے ہوں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "نگار" ایک ادارے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی خدمات ادبی دنیا میں مدت دراز تک ایک بھاری پتھر کی طرح قائم رہیں گی، اور ادب کا کوئی نقاد اس کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر آگے نہ بڑھ سکے گا۔

اس رسالہ کا ہر سالنامہ کسی خاص نمبر پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر نمبر میں کسی ایک شخصیت یا کسی تحریک پر وزنی اور معیاری مضامین شائع ہوتے ہیں، اب تک اس کے جتنے خاص سالنامے یعنی "مخصوص نمبر" چھپ چکے ہیں، انھیں پیش نظر رکھا جائے تو بات ثبوت کے ساتھ واضح ہو سکتی ہے، وہ نمبر جن کے نام اس وقت ذہن میں موجود ہیں، یہ ہیں:-

قرآن نمبر، مومن نمبر، غالب نمبر، مصحفی نمبر، داغ نمبر، حسرت نمبر، ریاض نمبر، ظفر نمبر، نظیر نمبر، پاکستان نمبر، خدا نمبر، معلومات نمبر، انشائے لطیف نمبر، اصناف سخن نمبر، افسانہ نمبر، فرمانروایان اسلام نمبر، انتقاد نمبر، تصحیح اسلام نمبر، اقبال نمبر، جگر نمبر، ہندی شاعری نمبر، غزل گو شعرا کا انتخاب نمبر ——— وغیرہ۔

حال میں نگار کا ایک خاص نمبر جو اس کے بانی "نیاز فتحپوری" سے متعلق ہے، "نیاز نمبر" کے نام سے دو بڑے حصوں میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔

نیاز نمبر کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ معنوی حیثیت سے کافی اہمیت اور قدر کا مستحق ہے، بیشتر مضامین اور مقالات وزنی اور پُرمغز ہیں، اور نیاز صاحب کی فکر و فن کو سمجھنے پرکھنے اور انکی روح تک پہنچنے کے بعد لکھے گئے ہیں۔ یہ نیاز صاحب پر یہ نمبر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے، اُن کی حیات و شخصیت اور فکر و فن کا ہر گوشہ اور ہر پہلو اس نمبر میں بے نقاب موجود ہے۔

البتہ بعض بعض مضامین بہت مختصر ہیں اور بعض تو اتنے کہ صرف ایک مختصر خط یا نوٹ کی حیثیت رکھتے ہیں، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ مضمون نگار حضرات نے عدیم الفرصتی یا وقت کی قلت کے باعث ایسا کیا ہو، بعض مضامین میں صرف اشاروں پر اکتفا کیا گیا ہے اور وہ اشارے کہیں کہیں گمراہ کن اور مبہم ہو کر رہ گئے ہیں، اشاروں میں باتیں کرنا بھی ایک فن ہے لیکن اُسی حد تک تحسین ہے جب تک کہ اُس میں ابہام اور بے بیانی کیفیت نہ پیدا ہونے پائے ——— ویسے، اس نمبر کی خاص خصوصیت ہے کہ باستثنائے چند سب مضامین معیاری اور سوچ سمجھ کر لکھے گئے ہیں، صرف دو چار مضمون محض "زیب داستان" کے لئے شامل کر لئے گئے ہیں، ——— بعض مضامین کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختصر کیا گیا ہے جس سے مضمون میں بے ربطی سی پیدا ہو گئی ہے، اور کہیں اُس کے تسلسل پر بھی حرف آ گیا ہے، اس کا اندازہ مجھے یوں ہوا کہ میرا مضمون جو گیارہ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل تھا، تراش خراش اور قطع و برید کی منزلوں سے گزر کر اب صرف سات صفحوں کا رہ گیا ہے،

پہلا حصہ جس میں نیاز صاحب کے "تصنیفی و تالیفی سرمایہ" کو پیش کیا گیا ہے اس میں بعض تالیفات و تصنیفات کے نام رہ گئے ہیں، اس لئے وہ فہرست نظرثانی کی محتاج ہے، مثلاً مختارات نیاز، کلہائے جعفری، مطالعات نیاز، وغیرہ کے نام اُس میں نہیں ہیں۔

اسی طرح "نیاز کے تحریر کردہ نگار کے خاص نمبر" کی سرخی کے ذیل میں جن نمبروں کے نام گنوائے ہیں اُن میں بھی دو تین نام چھوٹ گئے ہیں۔ مثلاً سنہ ۶۱ء کے غالب نمبر سے پہلے جو ایک پوری اشاعت غالب سے متعلق ہے وہ بھی نیاز صاحب ہی کی تحریر کردہ ہے اور "غالب نمبر" کہی جا سکتی ہے، اسکے علاوہ "جگر نمبر" بھی سارا کا سارا نیاز صاحب ہی کے قلم کا مرہون منت ہے۔ وغیرہ

رسالہ صوری حُسن کے لحاظ سے بھی دلکش اور دیدہ زیب ہے۔ لکھائی چھپائی بھی پاکیزہ ہے، البتہ "سنت جاریہ" کے بطور کتابت کے اغلاط اکثر جگہ جلوہ نما ہیں، کاش پروف پڑھنے میں زیادہ محنت اور توجہ سے کام لیا جاتا تو یہ سقم بھی نہ رہتا۔ پھر بھی نمبر بحیثیت مجموعی نفیس، دیدہ زیب اور دلکش ہے، کاغذ بھی اچھا ہے اور اس کے ساتھ (ٹائٹل پیج) Title Page بھی۔

البتہ ایک بات ضرور کسی حالت میں پسند نہیں کی جا سکتی اور وہ یہ کہ نمبر کو اگر دو ٹکڑوں میں نہ تقسیم کیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ دو حصوں میں چھپنے سے اُس کی شان و وقار مجروح ہو گیا۔ یکجا چھپنے سے اُسکے وزن و وقار کا کچھ اور ہی عالم ہوتا۔ دوسرے الگ الگ ہونے سے بعض قارئین صرف ایک ہی حصے کے مطالعہ سے (جو انھیں مل جاتا ہے) فیضیاب ہو پاتے ہیں اور دوسرے کا مطالعہ رہ جاتا ہے۔

ان خامیوں کے باوجود یہ نمبر بڑا کارآمد، بڑا دلچسپ اور نیاز صاحب کے متعلق ایک دستاویز اور ان کے سوانحی حالات کے متعلق ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ نمبر تحقیق کرنے والوں اور نیاز صاحب کی شخصیت و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے دلیل راہ کا کام دے گا۔

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

* یہ تبصرہ اگست ۱۹۶۳ء میں لکھا گیا تھا لیکن اب چھپ رہا ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا